سورۂ عبس

آیاتہا ۴۲ | ۸۰ سورۃ عبس مکیۃ ۲۴ | رکوعہا ۱

تمام کے نزدیک مکی سورت ہے۔ اس کی بیالیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو انتہائی مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ① اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ② وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰۤی ③ اَوۡ یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعَہُ الذِّکۡرٰی ④

''چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا یا وہ غور و فکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

ان آیات کا شان نزول

مسئلہ نمبر 1۔ عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ۙ اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ۝ اس نے چہرے پر تیوری چڑھائی یہ جملہ بولا جاتا ہے: عبس وبسہ اس پر گفتگو پہلے ہو چکی ہے، اس نے چہرے کو دوسری طرف کر لیا اَنۡ جَآءَ یہ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ مفعول لہ ہے معنی یہ ہوگا اس لیے کہ اس کے پاس اندھا آیا یعنی جو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ علماء تفسیر نے یہ روایت نقل کی ہے کہ قریش کے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مسلمان ہونے کی خواہش رکھتے تھے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم حاضر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قطع کلامی کو ناپسند کیا اور ان سے رخ انور پھیر لیا، تو یہ آیات حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہشام بن عروہ نے حضرت عروہ سے روایت نقل کی کہ یہ آیات حضرت ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے قریب جگہ دیجئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرک رؤسا موجود تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعراض کرنے لگے اور دوسرے افراد کی طرف توجہ فرمانے لگے اور فرماتے: ''اے فلاں کیا میں جو کچھ کہتا ہوں اس میں تو کوئی حرج پاتا ہے؟'' وہ کہتا بتوں کی قسم! جو آپ کہتے ہیں ان میں کوئی کمی نہیں پاتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ۝ کو نازل فرمایا(1)۔

ترمذی میں مسند روایت ہے کہ سعید بن یحییٰ بن سعید اموی اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: یہ روایت ہم نے

1۔ احکام القرآن لابن العربی

ہشام بن عروہ پر پیش کی وہ اسے اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ یہ آیات حضرت ابن ام مکتوم کے حق میں نازل ہوئیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے وہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! میری راہنمائی کیجئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکین کے سرداروں میں سے ایک آدمی موجود تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اعراض کرنے لگے اور سردار کی طرف توجہ کرنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ''جو میں کہتا ہوں کیا تو اس میں کوئی حرج دیکھتا ہے؟'' وہ کہتا: نہیں، اس بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے (1)۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قریش کے کون سے سردار موجود تھے؟

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عتاب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ام مکتوم سے اعراض کیا اسے عمرو بن ام مکتوم کہتے ام مکتوم کا نام عاتکہ بنت عامر بن مخذوم تھا یہ عمرو ابن قیس بن زائدہ بن اصم ہے یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ماموں زاد بھائی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں میں سے ایک عظیم آدمی کے ساتھ مصروف گفتگو تھے جسے ولید بن مغیرہ کہا جاتا۔ ہمارے علماء مالکیہ میں سے ابن عربی نے کہا یہ قول کیا گیا ہے جس کی کنیت ابوعبد شمس تھی۔ قتادہ نے کہا: وہ امیہ بن خلف تھا۔ انہیں سے یہ قول مروی ہے: وہ ابی بن خلف تھا۔ مجاہد نے کہا: وہ تین افراد تھے عتبہ، شیبہ جو دونوں ربیع کے بیٹے تھے اور ابی بن خلف۔ عطا نے کہا: وہ عتبہ بن ربیعہ تھا۔ حضرت سفیان ثوری نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا عباس کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔ زمخشری نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کے سردار تھے، عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبد المطلب، امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اسلام کی دعوت دے رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ امید رکھتے تھے کہ ان کے اسلام لانے سے دوسرے لوگ بھی اسلام قبول کرلیں گے۔ جہاں تک ہمارے علماء کا تعلق ہے ان کا کہنا ہے: وہ ولید بن مغیرہ ہے۔ دوسروں نے کہا: وہ امیہ بن خلف اور عباس تھے یہ سب باطل ہے اور مفسرین کی ایک جانب سے جہالت ہے جنہوں نے دینی معاملات میں کوئی تحقیق نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے امیہ بن خلف اور ولید دونوں مکہ مکرمہ میں تھے اور ابن ام مکتوم مدینہ طیبہ میں تھے وہ ان دونوں کے ساتھ اکٹھے نہ ہوئے اور نہ وہ دونوں ان کے ساتھ اکٹھے ہوئے وہ دونوں کافر مرے ان میں سے ایک ہجرت سے پہلے اور دوسرا ہجرت کے بعد غزوۂ بدر کے بعد۔ ان میں سے کسی نے بھی مدینہ کا قصد نہ کیا وہ نہ اکیلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور نہ ہی کسی اور کے ساتھ (2)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور پھیرنے کا سبب

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت ابن مکتوم حاضر ہوئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس موجود قریش کے سرداروں سے محو کلام تھے انہیں اسلام کی دعوت دے رہے تھے ان کے اسلام لانے کی قوی امید تھی اس کے اسلام لانے سے ان کی قوم کے بے شمار

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ عبس، حدیث نمبر 3254، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ حضرت مفسر کی یہ رائے توجہ طلب ہے جب یہ واضح کیا کہ سورت مکی ہے اور حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ماموں زاد ہیں تو یہ ملاقات مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی نہ کہ مدینہ طیبہ میں۔

لوگوں کے اسلام لانے کا امکان تھا۔ حضرت ابن مکتوم آئے جبکہ وہ نابینا تھے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو تعلیم دی ہے اس کی مجھے تعلیم دیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنے لگے اور ندا میں کثرت کرنے لگے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور کے ساتھ مصروف کلام ہیں یہاں تک کہ قطع کلامی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہونے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل میں سوچا یہ لوگ کہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار نابینے، کم مرتبہ اور غلام ہیں۔ آپ نے تیوری چڑھائی اور رخ انور پھیر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ثوری نے کہا: اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی حضرت ابن ام مکتوم کو دیکھتے اس کے لیے چادر بچھاتے اور کہتے: ''اے خوش آمدید! جن کے متعلق میرے رب نے مجھے عتاب کیا'' آپ فرماتے: ''کیا کوئی کام ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دو دفعہ دو غزوات کے موقع پر مدینہ طیبہ میں اپنا نائب بنایا۔ حضرت انس نے کہا: میں نے انہیں قادسیہ کے دن سواری پر سوار دیکھا جبکہ انہوں نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور ان کے پاس سیاہ جھنڈا تھا۔

حضرت عبداللہ کا فعل درست نہ ہونے کے باوجود عتاب کیوں؟

مسئلہ نمبر 4۔ ہمارے علماء نے کہا: حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نے جو کچھ کیا یہ سوء ادبی تھی اگر وہ جانتے ہوتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور کے ساتھ گفتگو میں شریک ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اسلام لانے کی امید کرتے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عتاب کیا تا کہ اہل مدینہ کے دل نہ ٹوٹ جائیں یا یہ معلوم ہو جائے کہ مومن فقیر غنی سے بہتر ہے اور مومن کی طرف توجہ کرنا اگرچہ وہ فقیر ہو یہ زیادہ مناسب اور بہتر ہے تا کہ وہ ایمان لے آئیں اگرچہ ایسے آدمی کی طرف توجہ کرنا بھی مصلحت کا تقاضا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى (الانفال: 67) نبی کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اس کے قیدی ہوں۔ جیسے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کی تالیف کا قصد کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے دل میں جو ایمان تھا اس پر اعتماد تھا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد میں ہے: ''ایک آدمی سے صلہ رحمی کرتا ہوں جبکہ دوسرا آدمی مجھے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس خوف سے کہ اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں منہ کے بل نہ پھینک دے''(1)۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ کے کس فعل کو ناپسند کرتے ہوئے رخ انور پھیرا

مسئلہ نمبر 5۔ ابن زید نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مکتوم کے ساتھ اس لیے سخت رویہ اپنایا اور ان سے اعراض کیا کیونکہ جو آدمی انہیں لا رہا تھا اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا تھا کہ وہ حضرت ابن مکتوم کو آگے آنے سے روکے۔ حضرت ابن مکتوم نے اسے دھکا دیا اور بات ماننے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے تعلیم دیں اس میں ان کی طرف سے کچھ جفا کا پہلو تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی اور غائب کا صیغہ ذکر کیا مقصود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اظہار تھا یہ نہیں فرمایا: عبست وتولیت پھر انس پیدا کرنے کے لیے خطاب کا صیغہ ذکر کیا اور فرمایا: وَمَا يُدْرِيْكَ۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰۤى ۙ کس چیز نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا ممکن ہے ابن مکتوم اس چیز کے ذریعے جس کی انہوں نے تم سے استدعا کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن و دین کی تعلیم سیکھیں وہ اپنے دین میں طبیعت کی زیادتی اور اپنے آپ سے جہالت کی تاریکی کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لَعَلَّهٗ کی ضمیر کافر کے لیے ہو یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طمع کیا کہ وہ اسلام قبول کر کے پاکیزہ ہو جائے یا وہ نصیحت حاصل کرے اور یہ نصیحت اسے قبول حق تک لے جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے آگاہ کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طمع کی ہے وہ ہو کر رہنے والی ہے۔ حمزہ نے اسے أَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ پر محمول کیا ہے یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر عَبَسَ وَتَوَلّٰۤى ۙ دلالت کرتا ہے تقدیر کلام یوں ہو گی اان جاءہ أعرض عنہ وتولی جب ہمزہ استفہام کی صورت میں قراءت کی جائے گی تو اس وقت تَوَلّٰۤى پر وقف ہو گا اور جب استفہام کے بغیر قراءت کی جائے تو اس پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ یہ عام قراء کی قراءت ہے۔

دیگر مقامات عتاب

مسئلہ نمبر 6۔ عتاب میں اس آیت کی مثل سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (الانعام: 52) جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں ان کو دور نہ کرو۔ اسی طرح سورۂ کہف میں ہے وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (کہف: 28) اور اس قسم کی جو دوسری آیات ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ؕ یا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تو وہ اس سے نصیحت حاصل کرتا اور نصیحت اسے نفع دیتی۔ عام لوگوں کی قراءت فتنفعہ کے عین کے ضمہ کے ساتھ ہے اس کا عطف يَزَّكّٰى پر ہے۔ عاصم، ابن ابی اسحاق اور عیسیٰ نے اسے فتنفعہ عین کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے؛ یہ سلمی اور زر بن حبیش کی قراءت ہے یہ لعل کا جواب ہے کیونکہ یہ (لعل) غیر موجب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۙ (غافر) پھر فرمایا: فَاَطَّلِعَ۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ؕ ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ؕ ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخْشٰى ۙ ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ ﴿۱۰﴾

''لیکن جو پرواہ نہیں کرتا آپ اس کی طرف تو توجہ کرتے ہیں۔ اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سدھرے۔ اور جو آپ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا اور وہ ڈر بھی رہا تھا تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں''۔

جو خوشحال و غنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کی بات توجہ سے سنتے ہیں۔ تَصَدّٰى کا معنی توجہ سے بات سنتا ہے؛ راعی نے کہا:

تصدّٰی لوضاح کأنّ جبینہ سراجُ الدُّجی یَحْنِی إلیہ الأساور

وہ وضاح کے سامنے آیا گویا اس کی پیشانی تاریکیوں کا چراغ ہے بڑے بڑے سردار اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

اس کی اصل تصدد ہے جو صدٌ سے مشتق ہے یہ وہ چیز ہوتی ہے جو تیرے سامنے آئے اور تیرے بالمقابل ہو جائے کہا جاتا ہے: داری صدد دارہ۔ میرا گھر اس کے گھر کے سامنے ہے، اسے ظرف کی بنا پر نصب دی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا

ہے: یہ صدی سے مشتق ہے جس کا معنی پیاس ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غنی کی طرف اس طرح متوجہ ہوتے ہیں جس طرح پیاسا پانی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ مصاداۃ کا معنی بالمقابل ہونا ہے۔ عام قراء کی قراءت تصدی صاد کی تخفیف کے ساتھ ہے تخفیف کے لیے دوسری تاء کو حذف کر دیا گیا۔ نافع اور ابن محیصن نے ادغام کی صورت میں صاد کو مشدد پڑھا ہے۔

یہ کافر ہدایت نہ پاتے، ایمان نہ لاتے تب بھی آپ پر کوئی حرج نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف رسول ہیں آپ کے ذمہ صرف پیغام حق پہنچانا ہے۔

رہا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے لیے علم کا طالب ہے وہ تیزی کرتے ہوئے آیا جب کہ وہ اللہ سے ڈرتا بھی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے رخ انور پھیر لیتے ہیں اور کسی اور کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ تَلَهّٰى اصل میں تتلھی تھا یوں جملہ بولا جاتا ہے: لهيتُ عن الشئ أَلْهي میں نے اس سے اعراض کرنے کے لیے بناوٹی مشغول ہوا۔ تَلَهّٰى کا معنی تغافل ہے۔ لهيت عنه وتلتهيت عنه دونوں کا معنی ایک ہے۔

كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾

''ایسا نہ چاہیے یہ تو نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اسے قبول کر لے۔ یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں، ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں''۔

كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ كَلَّاۤ یہ ردع اور زجر کا کلمہ ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریقوں کے ساتھ رویہ اپنایا ہے معاملہ ایسا نہیں یعنی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہ کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غنی کی طرف متوجہ ہوں اور مومن فقیر سے اعراض کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو رویہ ظاہر ہوا وہ ترک اولی کے ضمن میں آتا ہے جس طرح پہلے یہ بحث گزر چکی ہے اگر اسے گناہ صغیرہ پر محمول کیا جائے تو یہ بھی بعید نہیں؛ یہ قشیری کا قول ہے۔ اس صورت میں كَلَّاۤ سے ابتداء کی جائے جو حقا کے معنی میں ہو۔ اِنَّهَا میں ضمیر سے مراد سورت اور قرآن کی آیات ہیں۔ تَذْكِرَةٌ سے مراد نصیحت ہے یعنی مخلوق کے لیے نصیحت۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ جو چاہے قرآن سے نصیحت حاصل کرے۔ جرجانی نے کہا: اِنَّهَا میں ضمیر قرآن کے لیے ہے قرآن کا لفظ مذکر ہے مگر جب قرآن کو تذکرہ بنا دیا تو ضمیر تَذْكِرَةٌ کے اعتبار سے ذکر کی اگر ضمیر مذکر ذکر کی جاتی تو یہ بھی جائز تھا جس طرح ایک اور موقع پر فرمایا: كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ (المدثر) خبردار وہ نصیحت ہے۔ جو چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے وہ یہ ارشاد ہے فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ یعنی وہ اس کو یاد کرنے والا ہوا سے بھولنے والا نہ ہو، یہاں ضمیر کو مذکر ذکر کیا کیونکہ تذکرہ ذکر اور وعظ کے معنی میں ہے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں چاہتا ہے اس کی طرف الہام فرما دیتا ہے۔

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ صُحُفٍ صحیفہ کی جمع ہے وہ صحیفے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے محترم ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔ طبری نے

کہا: یہ دین میں مکرم ہیں کیونکہ ان میں علم اور حکمتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مکرم اس لیے ہیں کیونکہ انہیں معزز فرشتے لاتے ہیں یا اس لیے کیونکہ یہ لوح محفوظ سے نازل ہونے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس لیے معزز ہیں کیونکہ یہ کریم کی جانب سے نازل ہوئے کیونکہ کتاب کی شرافت کتاب والے کی بزرگی سے ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد انبیاء کی کتب ہیں اس کی دلیل اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝ (الاعلیٰ) ہے۔

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شان بڑی بلند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ساتویں آسمان میں بلند ہیں؛ یہ یحییٰ بن سلام کا نقطہ نظر ہے۔ طبری نے کہا: ان کا ذکر اور قدر بلند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شبہ اور تناقض سے بلند ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: وہ ہر میل سے پاک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس سے محفوظ ہیں کہ کفار اس کو پائیں؛ یہی سدی کے قول کا معنی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ اس سے پاک ہیں کہ کفار پر نازل ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن فرشتوں کے لیے صحیفوں میں ثبت کر دیا گیا ہے وہ انہیں پڑھتے ہیں وہ صحیفے مکرم، بلند اور پاکیزہ ہیں۔

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ سَفَرَةٍ سے مراد وہ فرشتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور رسولوں کے درمیان سفیر بنایا ہے وہ نیک ہیں وہ معصیت سے آلودہ نہیں۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: وہ صحیفہ پاکیزہ ہیں اسے بھی پاک بنا دیتے ہیں جو ان سفرہ کا حامل بنے۔ سفرہ کا معنی کاتب بھی ہے مجاہد نے بھی یہ کہا ہے: اس سے مراد وہ معزز فرشتے ہیں جو نامہ اعمال میں بندوں کے افعال لکھتے ہیں۔ اس کی واحد سافر ہے جس طرح کاتب کی جمع کتبہ ہے کہا جاتا ہے: سفرت یعنی میں نے لکھا کتاب کو سَفَر کہتے ہیں اس کی جمع اسفار آتی ہے۔ زجاج نے کہا: کتاب کو سفر کہتے ہیں اور کاتب کو سافر کہتے ہیں کیونکہ اس کا معنی ہے کہ وہ ایک چیز کو واضح کرتا ہے اور وضاحت کرتا ہے جملہ بولا جاتا ہے: اسفر الصبح جب صبح روشن ہو جائے۔ سفرت المرأۃ جب وہ اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دے اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سفرت بین القوم أسفر سفارۃ یعنی میں نے ان کے درمیان مصالحت کرائی؛ یہی قول فراء نے کیا ہے اور یہ شعر پڑھا:

فما أدعُ السِّفارةَ بين قومي	ولا أمشِي بغِشٍّ إن مَشَيْتُ

میں اپنی قوم میں مصالحت کے فریضہ کو نہ چھوڑوں گا اگر میں اس کام کے لیے چلا تو دھوکہ سے نہ چلوں گا۔

السفیر سے مراد رسول اور قوم میں مصلح ہے اس کی جمع سفراء آتی ہے جس طرح فقیہ کی جمع فقہاء آتی ہے عبرانی زبان میں کاتبوں کو سفراء کہتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: یہاں سَفَرَةٍ سے مراد قراء ہیں کیونکہ وہ کتابیں پڑھتے ہیں ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرح بھی قول مروی ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا کہ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ابن عربی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سَفَرَةٍ ۙ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ تھے لیکن اس آیت میں وہ مراد نہیں اور اس آیت سے جو مراد ہیں ان کے قریب بھی نہیں بلکہ جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو اس وقت صرف ملائکہ مراد ہوں گے ان کے علاوہ کوئی بھی ان کے ساتھ شریک نہیں جب اس آیت سے مراد ان کے علاوہ ہوں ان کے ساتھ یہ اس میں

شامل نہیں۔ صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی قرآن حکیم کی قراءت کرتا ہے جبکہ وہ حافظ ہو وہ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ کے ساتھ ہوگا۔ وہ آدمی جو اس کی قراءت کرتا ہے اور اس کے لیے تگ و دو کرتا ہے جبکہ یہ امر اس پر مشکل ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں''۔ متفق علیہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ اپنے رب پر کریم ہیں؛ یہ کلبی کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ معاصی سے بالا ہیں وہ اپنے آپ کو نافرمانیوں سے بلند رکھتے ہیں۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے كِرَامٍ کی یہ وضاحت نقل کی ہے وہ فرشتے اس سے بالا ہیں کہ جب خاوند اپنی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے یا قضائے حاجت کے لیے پردہ کھولے تو وہ اس بندے کے ساتھ ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دوسروں کے منافع کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ بار کی جمع ہے جس طرح كَفَرَة، کافر کی جمع ہے سَحَرَة، ساحر کی جمع ہے۔ فجرة، فاجر کی جمع ہے برّ اور بار جب وہ سچ کا اہل ہو۔ اس سے بر فلان فی یمینہ فلاں اپنی قسم میں سچا ہے فلاں یبر خالقہ ویتبررہ فلاں اپنے خالق کی اطاعت کرتا ہے۔ بَرَرَةٍ کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہیں، اپنے اعمال میں اللہ تعالیٰ کے لیے سچے ہیں سورۂ واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿ۙ﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿ۙ﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ (واقعہ) وہ قرآن حکیم ہے محفوظ کتاب میں ہے اسے پاکیزہ لوگ ہی چھوتے ہیں۔ وہی اس سورت میں كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾

''غارت ہو (منکر) انسان وہ کتنا احسان فراموش ہے۔ کس چیز سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ ایک بوند سے، اسے پیدا کیا پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی پھر (زندگی کی) راہ اس پر آسان کردی پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچا دیا، پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا۔ یقیناً وہ بجا نہ لایا جو اللہ نے اسے حکم دیا تھا''۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ قُتِلَ لعن کے معنی میں ہے یعنی اس پر لعنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسے عذاب دیا جائے۔ انسان سے مراد کافر ہے۔ اعمش نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے: قرآن میں جہاں بھی قُتِلَ الْاِنْسَانُ کے الفاظ ہیں اس سے مراد کافر ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ عتبہ بن ابی لہب کے حق میں نازل ہوئی، وہ ایمان لایا تھا جب سورۂ نجم نازل ہوئی تو وہ مرتد ہو گیا تھا اس نے کہا تھا: میں تمام قرآن پر ایمان لایا سوائے سورۃ النجم کے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیات نازل کیں یعنی عتبہ پر لعنت ہو کیونکہ اس نے قرآن کا انکار کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا کی: اللّٰھم سلّط علیہ کلبك أسد الغاضرۃ اے اللہ! اس پر غاضرہ کا شیر مسلط کر دے۔ وہ اس کے تھوڑے عرصہ بعد شام کی طرف تجارت کے لیے گیا جب وہ غاضرہ کے مقام پر پہنچا تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یاد آ گئی جو لوگ اس کے ساتھ تھے ان سے اس نے کہا: اگر اس نے صبح زندہ انداز میں کی تو ان کے لیے ہزار دینار ہوں گے،

ان ساتھیوں نے اسے درمیان میں رکھا اور اپنا سامان اس کے اردگرد رکھ دیا وہ اس حالت میں تھے کہ ایک شیر آیا جب وہ سامان کے قریب پہنچا تو اس نے چھلانگ لگائی تو وہ عتبہ کے اوپر پہنچ گیا اور اسے پھاڑ دیا اس کے باپ نے اس پر آہ وزاری کی اور رویا اور کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات بھی کی وہ پوری ہوئی۔

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مَآ اَكْفَرَهٗ کا معنی ہے کس چیز نے اس کو کفر پر برانگیختہ کیا؟ ایک قول یہ کیا گیا: ما تعجبیہ ہے عربوں کی عادت ہے جب وہ کسی چیز سے متعجب ہوتے تو کہتے: قاتله الله ما أحسنه، أخزاه الله ما أظلمه۔ اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے وہ کتنا حسین ہے، اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے وہ کتنا ظالم ہے۔ معنی یہ ہوگا جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کے بعد بھی انسان کفر کرے تو اس پر تعجب کا اظہار کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی نعمتوں پر کتنی ناشکری کرنے والا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کتنا احسان کیا ہے۔ یہ بھی تعجب کے اظہار کے لیے ہے۔ ابن جریج نے کہا: وہ کتنا ہی شدید کافر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہامیہ ہے یعنی وہ کون سی چیز ہے جو اسے کفر کی طرف دعوت دینے والی ہو۔ یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے ما تعجب کا احتمال رکھتا ہے اور اسی کے معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے پس یہ استفہامیہ ہوگا۔

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ⑱ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ⑲ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کو کس چیز سے پیدا کیا ہے کہ وہ تکبر کا اظہار کرتا ہے؟ یعنی اس کی خلقت پر تعجب کا اظہار کرو۔ تھوڑے سے پانی سے جو حقیر ہے، جامد ہے تو وہ اپنے بارے میں کس وجہ سے مغالطہ کا شکار ہوتا ہے؟ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ آدمی جو بول کے راستہ دو دفعہ نکلا وہ کیسے تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی ماں کے پیٹ میں مقدر کیا۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی کہ اس کے ہاتھوں، اس کے پاؤں، اس کی آنکھوں، تمام اعضاء، حسن، بدصورتی، لمبا، چھوٹا، بدبخت اور سعادت مند ہونے کو مقدر کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَقَدَّرَهٗ کا معنی ہے اسے کامل بنایا جس طرح ارشاد فرمایا: اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ⑳ (کہف) کیا تو اس کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر بنا سنوار کر تجھے مرد بنایا اور فرمایا: الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ (الانفطار: 7) جس نے تجھے پیدا کیا اور درست بنایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے اس کے کئی مراحل بنائے ایک حالت سے دوسری حالت، پہلے نطفہ پھر علقہ پھر اس کی خلقت کو مکمل کر لیا۔

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ⑳ عطا، قتادہ، سدی اور مقاتل نے کہا: ماں کے پیٹ سے نکلنے کو آسان کر دیا۔ مجاہد نے کہا: اس کے لیے خیر اور شر کے راستہ کو واضح کر دیا، اس کی دلیل اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ (الانسان: 3) ہم نے اس کی راستہ کی طرف راہنمائی کی۔ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ⑩ (البلد) ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے: یہ حضرت حسن بصری، عطا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: شقاوت اور سعادت کا راستہ۔ ابن زید نے کہا: اسلام کا راستہ۔ ابو بکر بن طاہر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے اس چیز کو آسان کر دیا جس کے لیے اسے

پیدا کیا تھا اور اس پر اسے قدرت دے دی، اس پر دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: اعملوا فکلٌّ میسّر لما خُلِقَ لہ عمل کرتے جاؤ ہر ایک کے لیے اسی امر کو آسان کر دیا جائے گا جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ یعنی اس کے لیے قبر بنائی تا کہ اس میں چھپایا جائے۔ یہ حکم اس کی تکریم کے لیے دیا اسے ان چیزوں میں سے نہیں بنایا جن کو زمین پر پھینک دیا جاتا ہے جسے پرندے اور درندے کھاتے ہیں؛ یہ فراء نے کہا: ابو عبیدہ نے کہا: اقبرہ کا معنی ہے اس کے لیے قبر بنائی اور حکم دیا کہ اسے قبر میں دفن کیا جائے۔ ابو عبیدہ نے کہا: جب عمر بن ہبیرہ نے صالح بن عبدالرحمن کو قتل کیا تو بنو تمیم نے کہا جبکہ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے: اقبرنا صالحا تو جواب میں کہا: دونکموہ خود ہی یہ ذمہ داری ادا کر لو کہا: اقبرہ، قبرہ نہیں کہا کیونکہ قبرہ اسے کہتے ہیں جو اپنے ہاتھوں سے دفن کرے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قبرت المیت جب تو اسے دفن کرے، أقبرہ اللہ جب اسے اس طرح بنادے کہ اسے دفن کیا جائے اور اس کے لیے قبر بنائی جائے عرب کہتے ہیں: بترت ذنب البعیر میں نے اونٹ کی دنب کاٹی۔ أبترہ اللہ اللہ تعالیٰ نے اسے دم بریدہ کر دیا۔ عقبت قرن الثور میں نے بیل کا سینگ کاٹا۔ أعقبہ اللہ اللہ تعالیٰ نے اسے بے سینگ کر دیا۔ طردت فلانا میں اسے دھتکارا۔ اللہ اطردہ اللہ تعالیٰ نے اسے دھتکارا ہوا بنا دیا۔

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝ جب چاہے گا موت کے بعد زندہ کر دے، عام قراء کی قراءت أنشرہ ہے۔ ابو حیوہ نے نافع اور شعیب بن ابی حمزہ سے شاء نشرہ نقل کی ہے یہ دونوں فصیح لغتیں ہیں۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: انشرہ اللہ المیت ونشرہ۔ اللہ تعالیٰ نے مردہ کو زندہ کر دیا۔ اعشیٰ نے کہا:

حتّی یقولَ الناسُ مما رأوا یا عَجَبًا لِلمیّتِ الناشِرِ

لوگوں نے جو دیکھا اس کی وجہ سے وہ کہیں اس میت پر تعجب ہے جو اٹھنے والا ہے۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝ مجاہد اور قتادہ نے کہا: کسی نے بھی اس کا حق ادا نہ کیا جو اسے حکم دیا گیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: اس کا معنی ہے اس نے اس وعدہ کو پورا نہیں کیا جو اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکال کر اس سے لیا گیا تھا۔ پھر کہا گیا: کلّا یہ جھڑکنے کے لیے ہے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح کافر کہتا ہے کیونکہ کافر کو جب دوبارہ اٹھنے کی خبر دی جائے گی تو وہ کہے گا: اگر مجھے میرے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میرے لیے اس کے ہاں اچھا ٹھکانہ ہوگا۔ بعض اوقات وہ کہے گا: مجھے جو حکم دیا گیا تھا میں نے اس کا حق ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہرگز نہیں اس نے آج تک کوئی چیز پوری نہیں کی بلکہ وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا تھا اور میرے رسول کا انکار کرنے والا تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ درست نہیں کہ اس نے حق ادا نہیں کیا، یعنی اسے جو حکم دیا گیا تھا اس پر عمل نہیں کیا۔ لما میں ما کلام کا سہارا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (آل عمران: 159) عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۝ (مومنون) فبما اور عمّا میں ما کی یہی حیثیت ہے۔ امام ابن فورک نے کہا: معنی ہے یقیناً اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایمان کا جو حکم دیا اس کا فیصلہ نہ کیا تھا بلکہ اس چیز کا حکم دیا جس کو مقدر نہ کیا تھا۔ ابن انباری نے کہا: کلّا پر وقف قبیح ہے امرہ اور نشرہ پر وقف عمدہ ہے

اس صورت میں کَلَّا، حق کے معنی میں ہوگا۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

''پھر انسان غور سے دیکھے اپنی غذا کو، بے شک ہم نے زور سے پانی برسایا پھر اچھی طرح پھاڑا زمین کو پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات اور (طرح طرح کے) پھل اور گھاس، سامان زیست ہے تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے''۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے آغاز کا ذکر کیا پھر اسے جو رزق دیا گیا اس کا ذکر کیا کہ انسان دیکھے تو سہی اللہ تعالیٰ نے اس کا کھانا کیسے پیدا کیا یہ نظر دل کی نظر ہے کہ وہ فکر کرے یعنی وہ غور تو کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کھانے کو کیسے پیدا کیا جو اس کی زندگی کا سہارا ہے اور اس کے لیے کیسے زندگی کے اسباب کو بنایا تا کہ وہ آخرت کی تیاری کرے۔ حضرت حسن بصری اور مجاہد سے مروی ہے دونوں نے کہا: کہ وہ اپنے کھانے اور قضائے حاجت کی طرف دیکھے۔ ابن ابی خیثمہ نے ضحاک بن سفیان کلابی سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے ضحاک! تیرا کھانا کیا ہے؟'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم گوشت اور دودھ۔ فرمایا: ''پھر وہ کیا ہو جاتا ہے؟'' میں نے عرض کی: وہی جسے آپ جانتے ہیں فرمایا: ''انسان سے جو نکلتا ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ساتھ اس کی مثال بیان کی ہے''۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انسان کے کھانے کو دنیا کی مثال بنا دیا گیا اگرچہ وہ اسے لذیذ بنانے کے لیے مصالحہ ڈالے اور اسے نمکین بنائے دیکھو تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے''۔ ابو الولید نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا وہ بیت الخلا میں داخل ہوتا ہے تو اس کے جسم سے جو چیز نکلتی ہے اسے دیکھتا ہے فرمایا: ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے اور اسے کہتا ہے: دیکھو تو جس چیز میں بخل کیا کرتا تھا اس کا انجام کیا ہوا ہے (1)۔

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ عام قراء کی قراءت اِنَّا کی صورت میں ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے کوفیوں اور رومیوں نے یعقوب سے روایت کی ہے کہ انا ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ محل جر میں ہے کیونکہ یہ طعام سے بدل ہے گویا یوں کلام کی گئی ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ اس قراءت میں طَعَامِهٖ پر وقف کرنا اچھا نہیں اس طرح جب آپ اسے محل رفع میں رکھیں اور ھو ضمیر مضمر مانیں کیونکہ رفع کی صورت میں بھی طعام کی وضاحت کرے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کیونکہ ہم نے پانی برسایا اس کے ذریعے کھانا نکالا یعنی یہ اس طرح تھا۔ حسین بن علی نے اسے انی پڑھا ہے جو کیف کے معنی میں ہے جس نے اس قراءت کو اپنایا ہے اس نے طَعَامِهٖ پر وقف تام کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: انی، این کے معنی میں ہے اس وقت یہ وجوہ سے کنایہ ہوگا معنی ہوگا جس صورت میں ہم نے پانی برسایا۔ کمیت نے کہا: أَنّٰی وَمِنْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 439

أَيْنَ آبَكَ الطَّرَبُ کیسے اور کہاں سے تجھے تک نشاط پہنچی؟

صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ یعنی ہم نے بارش کو نازل کیا۔

ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ ہم نے زمین کو نباتات سے پھاڑا پھر ہم نے اس میں گندم، جو وغیرہ جن چیزوں کو کاٹا جاتا ہے اور ذخیرہ کیا جاتا ہے ان کو اگایا جو قت (ایک دانا جو صحراء میں ہوتا ہے لوگ اسے کوٹ کر کھاتے ہیں) اور چارہ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اسے قضب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کے ظہور کے بعد اسے بار بار کاٹا جاتا ہے۔ قتبی اور ثعلب نے کہا: اہل قت کو قضب کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد تر کھجوریں ہیں کیونکہ انہیں کھجور کے درخت سے کاٹا جاتا ہے کیونکہ اس سے پہلے عنب کا ذکر کیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد فصفصہ یہ ترقت ہوتا ہے۔ خلیل نے کہا: قضب سے مراد تر فصفصہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فسفسہ ہے جب وہ خشک ہو جائے تو وہ قتّ ہوتا ہے کہا: قضب کا اطلاق درخت کی ٹہنیوں پر ہوتا ہے جنہیں کاٹا جاتا ہے تاکہ اس سے تیر یا کمانیں بنائی جائیں۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے: قضب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جنہیں کاٹا جاتا ہے جس طرح قت، کراث وغیرہ اسی طرح ساری سبزیاں جنہیں کاٹا جاتا ہے اس کی جڑیں اگتی ہیں۔ صحاح میں ہے: قضبہ اور قضب سے مراد سبزیاں ہیں وہ فارسی زبان میں اسفست ہے اور وہ جگہ جہاں سبزیاں اگتی ہیں۔

وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ زیتون، زیتون کا درخت ہے۔ نَخْلًا سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ حَدَآئِقَ سے مراد باغات ہیں جس کا واحد حدیقہ ہے۔ کلبی نے کہا: کھجور اور درختوں میں سے جس کی چاردیواری ہو اسے حدیقہ کہتے ہیں اگر چاردیواری نہ ہو تو اسے حدیقہ نہیں کہتے۔ غلب سے مراد جس کے درخت موٹے ہوں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: شجرۃ غلباء شیر کو بھی اغلب کہتے ہیں کیونکہ اس کی گردن موٹی ہوتی ہے وہ کسی طرف متوجہ ہوتا ہے تو مکمل طور پر متوجہ ہوتا ہے۔ عجاج نے کہا:

مازلتُ يوم البينَ أَلوِی صَلَبِی والرأسَ حتى صِرتُ مِثْلَ الأغلب

جدائی کے روز میں لگاتار اپنی پشت اور سر کو موڑتا رہا یہاں تک میں شیر کی طرح ہو گیا۔

حدیقہ غلباء اسے کہتے ہیں جو گھنا ہو اسی طرح حدائق غلب ہے اغلولب العشب اسے کہتے ہیں جب جڑی بوٹیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: الغُلب، أغلب اور غلباء کی جمع ہے اس سے مراد موٹے درخت ہیں۔ آپ سے ہی یہ مروی ہے: اس سے مراد لمبے درخت ہیں۔ قتادہ اور ابن زید نے کہا: غلب سے مراد کھجور کے اچھے درخت ہیں۔ ابن زید اور عکرمہ سے مروی ہے: موٹے تنوں والوں کو کہتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: جن کی شاخیں باہم پیوست ہوں۔

وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ جسے لوگ کھاتے ہیں جیسے درختوں کے پھل جس طرح انجیر، اخروٹ وغیرہ۔ اب سے مراد ایسی گھاس جسے جانور کھاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری نے کہا: اب ان چیزوں کو کہتے ہیں جنہیں زمین اگاتی ہے لوگ اسے نہیں کھاتے۔ جسے انسان کھاتے ہیں اسے حصید کہتے ہیں اسی معنی میں شاعر کا قول ہے جو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا:

لَہٗ دَعْوَۃٌ مَیْمُوْنَۃٌ رِیْحُھَا الصَّبَا بِھَا یُنْبِتُ اللہُ الْحَصِیْدَۃَ وَالْاَبَّا

آپ کی دعوت مبارک ہے اس کی خوشبو باد صبا جیسی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ حصیدہ اور اب اگاتا ہے''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کو اب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کا قصد کیا جاتا ہے اور اسے کاٹنے کے لیے اس کی طرف جایا جاتا ہے اب اور ام دونوں ہم معنی ہیں۔ شاعر نے کہا:

جِذْمُنَا قَیْسٌ وَنَجْدٌ دَارُنَا وَلَنَا الْاَبُّ بِہٖ وَالْمَکْرَعُ

ہماری اصل (جداعلی) قیس ہے اور نجد ہمارا ملک ہے وہاں ہمارے لیے بہترین گھاس اور عمدہ پانی ہے۔

ضحاک نے کہا: اب اس چیز کو کہتے ہیں جو روئے زمین پر اگے، ابورزین نے بھی اسی طرح کہا ہے: اس سے مراد نباتات ہے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول دلالت کرتا ہے: اب سے مراد وہ چیز ہے جسے زمین اگاتی ہے جسے لوگ اور چوپائے کھاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن ابی طلحہ کہتے ہیں: اب سے مراد تازہ پھل ہیں۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد خاص طور پر انجیر ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ شاعر نے کہا:

فَمَا لَھُمْ مَرْتَعٌ لِلسَّوا مِ وَالْاَبُّ عِنْدَھُمْ یُقْدَرُ

ان کے ہاں چوپاؤں کے لیے چراگاہیں نہیں اور خوراک بھی ان کے پاس کم ہے۔

کلبی نے کہا: پھلوں کے بغیر ہر نبات مراد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَاکِھَۃً سے مراد تازہ پھل اور اب سے مراد خشک پھل ہیں۔ ابراہیم تیمی نے کہا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فَاکِھَۃً اور اب کی تفسیر پوچھی گئی فرمایا: کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے گی جب میں کتاب اللہ کی تفسیر میں ایسی بات کروں جو میں جانتا ہی نہ ہوں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا پھر فرمایا: ان سب کو تو ہم نے پہچان لیا یہ اب کیا ہے؟ پھر آپ نے اپنا عصا اٹھایا جو آپ کے ہاتھ میں تھا فرمایا: اللہ کی قسم! یہ تو تکلف ہے۔ اے ابن ام عمر! تجھ پر کیا حرج ہوگا اگر تو نہیں جانتا کہ اب کیا ہے؟ پھر فرمایا: اس کتاب سے جو چیز تمہارے لیے واضح ہے اس کی پیروی کرو اور جو واضح نہ ہو اس کو چھوڑ دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''سات چیزوں سے تمہیں پیدا کیا گیا، سات چیزوں سے تمہیں رزق دیا گیا، سات اعضا پر اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرو''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں سے پیدا کیا گیا سے یہ مراد لیا ہے نطفہ، علقہ، مضغہ، الآیۃ، سات چیزوں سے رزق دیا گیا سے یہ مراد لیا ہم نے اس میں دانا اور انگور اگایا اور پھل الآیۃ، پھر کہا: اب یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے یہ انسان کا رزق نہیں یہ جانور کے لیے خاص ہے۔

مَّتَاعًا لَّکُمْ یہ مفعول مطلق کے طور پر منصوب ہے برائے تاکید ہے کیونکہ ان تمام چیزوں کا اگانا تمام حیوانات کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے قبروں سے مردوں کو اٹھانے کے لیے بیان فرمائی جس طرح کھیتیاں جبکہ وہ پہلے ختم ہو چکی تھیں جس کی وضاحت کئی مواقع پر گزر چکی ہے اس میں اس احسان کا بھی ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر انعام

فرمایا۔ یہ بھی کئی مواقع پر گزر چکا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿٣٤﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ﴿٣٥﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

''پھر جب کان بہرا کرنے والا شور اٹھے گا، اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے۔ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پرواہ کر دے گی۔ کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے ہنستے ہوئے خوش وخرم۔ اور کئی منہ اس دن غبار آلود ہوں گے ان پر کالک لگی ہوگی۔ یہی وہ کافر (و) فاجر لوگ ہوں گے''۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ جب اس زندگی کے امر کا ذکر کیا تو آخرت کے امر کا ذکر کیا تاکہ وہ اعمال صالحہ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو احسانات کیے ہیں اسے صرف کر کے زاد راہ تیار کریں۔ صاخہ سے مراد چیخ ہے جس سے قیامت برپا ہوگی یہاں اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے جو کانوں کو بہرا کر دے گی وہ کوئی اور آواز نہیں سنیں گے مگر جس چیز کے ساتھ انہیں زندہ ہونے کی دعوت دی جائے گی۔ کئی مفسرین نے ذکر کیا کان اس کی طرف متوجہ ہوں گے یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: اصاخ الی کذا۔ یعنی اسے سنا اسی معنی میں ایک حدیث طیبہ ہے: ''یہ جانور جمعہ کے روز کان لگا کر سنتا ہے اسے قیامت کا ڈر ہوتا ہے مگر جن اور انسان کے'' (1)۔ شاعر نے کہا:

یُصِیخُ لِلنَّبْأَةِ أَسْمَاعَهُ إِصَاخَةَ الْمُنْشِدِ لِلْمُنْشِدِ

وہ خبر کو غور سے سنتا ہے جس طرح ایک شاعر دوسرے شاعر کو غور سے سنتا ہے۔

ایک عالم نے کہا: یہ قدماء کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے طور پر معنی لیا گیا ہے۔ جہاں تک لغت کا تعلق ہے تو اس کا مقتضا پہلا قول ہے۔ خلیل نے کہا: صاخہ ایسی چیخ ہے جو کانوں کو بہرہ بنا دے گی۔ لغت میں اصل معنی سختی سے تھپڑ مارنا یا دروازہ بند کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ صخہ بالحجر سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اسے پتھر مارے۔ راجز نے کہا:

یا جارتی هل لك أن تجالدی جلادة كالصك بالجلامد

اے میری پڑوسن! کیا تو مجھے زمین پر ایسا پٹکے گی جس طرح پتھر کو پھینکا جاتا ہے۔

اس معنی میں عربوں کا قول ہے: صختهم الصاخة وباتتهم البائتة اس سے مراد بڑی مصیبت ہے۔ طبری نے کہا: میرا خیال ہے یہ صخ فلان فلانا سے ماخوذ ہے جب وہ اسے بہرہ کر دے۔ ابن عربی نے کہا: صاخہ اسے کہتے ہیں جو بہرے

1۔ سنن ابی داؤد، باب تفریع ابواب الجمعة، باب فضل یوم الجمعة، حدیث نمبر 882، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پن کو لازم کردے جب کہ وہ سنانے والی تھی۔ یہ فصاحت کا بہترین اسلوب ہے یہاں تک ایک آدمی نے کہا:

أَصَمَّ بِكَ النَّاعِي وَإِنْ كَانَ أَسْمَعَا

موت کی خبر دینے والے نے تجھے بہرہ کر دیا اگرچہ وہ سنانے والا تھا۔

اللہ کی قسم! قیامت کا صیحہ آواز سنانے والا ہے جو دنیا سے بہرہ کر دے گا اور امور آخرت کو سنائے گا۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۙ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۙ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۞ اس دن صاخہ آئے گی تو آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا یعنی بھائی کے ساتھ دوستی کرنے اور گفتگو کرنے سے دور بھاگے گا کیونکہ اس کے لیے وہ فارغ نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنے بارے میں مصروف ہوگا جس طرح بعد میں فرمایا: اس دن ہر آدمی کو ایسا کام ہوگا جو اسے دوسری چیزوں سے غافل کر دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس سے جو مطالبہ کر سکتے تھے اور باہم جو حقوق موجود تھے اس وجہ سے ان سے دور بھاگے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس لیے دور بھاگے گا تا کہ جس شدت سے وہ اب ہے وہ اسے دیکھ نہ لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ان سے اس لیے دور بھاگے گا کیونکہ وہ جانتا ہوگا کہ وہ انہیں کچھ نفع نہیں دے سکتا جس طرح فرمایا: يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا (الدخان: 41) اس روز کوئی دوست کسی دوست کو کچھ نفع نہ دے گا۔ عبد اللہ بن طاہر ابہری نے کہا: وہ ان سے اس لیے بھاگے گا کیونکہ اس پر یہ امر واضح ہو چکا ہوگا کہ وہ عاجز ہیں اور ان کے پاس کوئی حیلہ نہیں، وہ اس کی طرف بھاگے جو اس سے غم اور دکھ دور کر سکے گا۔ اگر یہ امر اس پر ظاہر ہو چکا ہوتا تو وہ اپنے رب کے سوا کسی چیز پر اعتماد نہ کرے۔ صَاحِبَتِهِ سے مراد اس کی بیوی ہے اور بَنِيهِ سے مراد اس کی اولاد ہے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ قابیل اپنے بھائی ہابیل سے دور بھاگے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں سے دور بھاگیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے دور بھاگیں گے، تو حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے سے دور بھاگیں گے، حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیوی سے دور بھاگیں گے حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹے کی لاش سے دور بھاگیں گے۔ (1)

حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت کے روز سب سے پہلے جو اپنے باپ سے دور بھاگے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، سب سے پہلے جو اپنے بیٹے سے دور بھاگے گا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں، سب سے پہلے جو اپنی بیوی سے دور بھاگے گا وہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ علماء کی رائے تھی یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ان کا یہ فرار اپنے بچاؤ کے لیے ہوگا۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۞ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول

1۔ ایسے اقوال پر تعجب ہوتا ہے جب وہ دنیا میں ان ہستیوں سے تعلق قائم کرنے پر راضی ہی نہیں تھے تو وہ پھر کیسے مطالبہ کریں گے اور انبیاء کو ان سے بھاگنے کی کیا ضرورت جبکہ انہوں نے تبلیغ میں، حقوق کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی آیت کے عموم کا مصداق خاص بیان کرنا قرائن کی صورت میں تو درست ہو سکتا ہے یہاں کوئی قرینہ بھی نہیں اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت تو بڑے تعجب کا باعث ہے آپ کی والدہ ماجدہ کا وصال ہو چکا تھا جبکہ محققین نے آپ کی والدہ ماجدہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکار کو درست تسلیم نہیں کیا۔

اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت کے روز لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور ختنہ کے بغیر اٹھائے جائیں گے''۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! مرد اور عورت سب جبکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے؟ فرمایا: ''اے عائشہ! معاملہ اس سے بڑا سخت ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھیں''۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ اٹھایا جائے گا''۔ ایک عورت نے عرض کی: کیا ہم میں سے بعض ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھتے ہوں گے؟ فرمایا: ''اے فلانہ! ہر کسی کو اس روز اپنی پڑی ہوگی''۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے(1)۔ عام قراء کی قراءت غین معجمہ کے ساتھ ہے ہر آدمی ایسی حالت میں ہوگا جو اسے رشتہ داروں سے غافل کر دے گی۔ ابن محیصن اور حمید نے یَعْنِیہ پڑھا ہے یعنی اس کا امر اسے دوسروں سے لاتعلق کر دے گا۔ قتبی نے کہا: یُغْنِیْهِ کا معنی ہے وہ اسے پھیر دے گا اور اسے اپنی قرابت سے روک دے گا یہ جملہ کہا جاتا ہے: اغن عنی وجھك اپنے چہرے کو مجھ سے پھیر لے۔ اغن عن السفیہ بے وقوف سے دور ہو جا۔ خفاف نے کہا:

سَیَغْنِیك حرب بنِي مالِكٍ عن الفُحْش والجهلِ في المَحفِل

بنی مالک سے جنگ تجھے مجلس میں فحش گوئی اور جہالت سے روک دے گی۔

وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ کچھ چہرے چمکدار اور روشن ہوں گے انہیں اپنی کامیابی اور مقدر نعمتوں کا علم ہو چکا ہوگا۔ یہ مومنوں کے چہرے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں جس کرامت سے نوازا ہوگا اس کی وجہ سے خوش و خرم ہوں گے۔ عطا خراسانی نے کہا: وہ طویل عرصہ تک اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوتے رہے اس وجہ سے وہ روشن ہوں گے۔ ابونعیم نے اس کا ذکر کیا۔ ضحاک نے کہا: وضو کے آثار کی وجہ سے وہ روشن ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: راتوں کو عبادت کرنے کی وجہ سے وہ روشن ہوں گے۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''جس کی رات کی نماز زیادہ ہو جاتی ہے دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے''(2) یہ جملہ بولا جاتا ہے: أسفر الصبح جب صبح خوب روشن ہو جائے۔

وَوُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ غَبَرَةٌ سے مراد غبار اور دھواں ہے ترھق کا معنی چھا جانا ہے قَتَرَةٌ کا معنی ہے گرہن اور سیاہی؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح فرمایا۔ آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے: ''ذلت اور سختی''۔ کلام عرب میں قتر سے مراد غبار ہے یہ قترۃ کی جمع ہے؛ ابوعبید سے یہی مروی ہے۔ فرزدق نے یہ شعر پڑھا:

مُتَوَّجٌ بِرِداء المَلكِ یَتْبَعه مَوْجٌ ترى فوقه الرايات والقَتَرا

وہ بادشاہ کی چادر کو تاج بنائے ہوئے ہے اس کے پیچھے موج ہے تو اس کے اوپر جھنڈے اور غبار دیکھے گا۔

خبر میں ہے: ''جب قیامت کے روز چوپاؤں کو مٹی بنا دیا جائے گا تو اس مٹی کو کافروں کے مونہوں پر ڈال دیا جائے گا''۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ عبس، حدیث نمبر 3255، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب ما جاء فی قیام اللیل، حدیث نمبر 1322، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

زید بن اسلم نے کہا: قترہ اس مٹی کو کہتے ہیں جو آسمان کی طرف بلند ہو اور غَبَرَةٌ اس مٹی کو کہتے ہیں جو زمین کی طرف آئے، غبار اور غَبَرَةٌ ایک ہی چیز ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ ۔ کفرہ، کافر کی جمع ہے۔ فجرہ، فاجر کی جمع ہے اس سے مراد وہ جھوٹا ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد فاسق ہے کیونکہ فجر فجور اس وقت کہتے ہیں جب وہ فسق کرے اور فجر اس وقت کہتے ہیں جب وہ جھوٹ بولے اس کا اصل معنی مائل ہونا ہے، فاجر سے مراد مائل ہونے والا اس کی وضاحت اور گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ والحمد للہ وحدہ۔